بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

عالمِ انسانیت کے در و بست میں جب بھی ردّ و بدل ہوتا ہے اور تاریخ کے آسمان پر ستاروں کی گردش جب بھی تیز ہوتی ہے، صرف فرماں روائے کائنات کا تقدیر ساز ہاتھ ہی ایام کے چرخے کو گھما رہا ہوتا ہے اور وہی تختۂ زمان و مکان کے مختلف خانوں میں اپنے ہاتھ سے رکھے ہوئے مہروں کو آگے اور پیچھے حرکت دیتا رہتا ہے۔ بلاشبہ وہ انسانی اعمال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اور اُن کے نتائج پیدا کرتا ہے، مگر چاہے تو وہ ساری انسانی مساعی سے بے نیاز ہو کر بھی فیصلے کر سکتا ہے۔ تاہم وہ اپنی ہی مقرر کردہ سنّت کے تحت حکمت، عدل اور رحمت سے کام لے کر کبھی بادشاہ اور وزیر کہلانے والے عالی شان مہروں کو، بظاہر نگاہِ حقارت سے دیکھے جانے والے پیادوں سے پٹوا دیتا ہے۔ اور کبھی شر و فساد کی بڑی بڑی ڈراؤنی قوتوں کی جبر کیشیوں اور سازش کاریوں کی زد سے چھوٹی چھوٹی قوموں کو بچا نکالتا ہے اور اُن سے وہ کام لیتا ہے کہ عظیم قوتیں ہونٹ کاٹتی رہ جاتی ہیں۔

ایسے ہی کرشمہ ہائے خداوندی کا مشاہدہ ہم مسلمان اپنے ایمان کی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ پاکستان بننے، قراردادِ مقاصد پاس ہونے، شروع سے آج تک ہر دستور میں اس ریاست کا نام شدید مخالفتوں کے باوجود اسلامی جمہوریۂ پاکستان قرار پانے، ۱۹۷۳ء کے دستور میں ضروریاتِ اسلام کے اہم تقاضوں کے محفوظ ہو جانے، قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار پانے، ہفت سالہ دورِ فسطائیت کے خاتمے اور اسلامی مشاورتی کونسل کے قیام اور اس کے ذریعے قوانینِ اسلامی کی تدوین ہونے اور آخر میں اعلامیۂ ربیع الاوّل کے مطابق نظامِ اسلامی کی راہ پر بھرپور اقدام کا آغاز ہو جانے

کے تمام واقعات نے اس ملحدانہ فکری اور تہذیبی محاذ کو بُری طرح زک دی ہے جو ہمارے ارد گرد دو تین صدیوں سے قائم چلا آ رہا تھا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ملک کے اندر لادینیت پسند، اباحیت کیش، اشتراکیت پرستوں اور بندگانِ مفاد کے لیے اور ملک سے باہر تمام اسلام دشمن قوتوں کے لیے یہ صورتِ واقعہ کس درجہ ناگوار ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک اپنی بے حساب مشکلات کے باوجود اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے پر چل کھڑا ہوا ہے۔

اس کے لیے خود اللہ ہی نے احوال کا نقشہ ہمارے حق میں سازگار کیا ہے۔ اس نے مارشل لا کے پیرائے میں ایک ایسے شخص کو ایسے ساتھیوں کے ساتھ اُٹھا کھڑا کیا کہ اس نے جرأت سے اکثریت کی بیتاب تمناؤں کے مطابق اُس مبارک کام کا کھُل کر بیڑا اُٹھایا جسے نہ کوئی وزارت اس سے پہلے کر سکی تھی، نہ کوئی آمریت۔ اُس کی پکار پر اسلامی کونسل کے اندر تمام مکاتبِ فکر کے مفکّرین و علماء کو شریعت کے معاملات پر سوچ بچار کرنے اور اجتہاد کی راہیں نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا۔

ہماری دفاعی اور اقتصادی مشکلات پہلے ہی کم نہ تھیں، امریکہ کی طرف سے بندشِ امداد کے اعلان نے حالات کو اور بھی دشوار بنا دیا، مگر ادھر یہ ہوا کہ پوری قوم میں اس واقعہ سے ایک ایسا جذبہ اُبھر آیا کہ انہوں نے آمدنیوں میں کمی اور مہنگائی کے باوجود امریکہ کی گرفت سے آزاد ہو جانے کو مبارک سمجھا۔ دوسری طرف جہاں تک ایٹمی توانائی کا تعلق ہے اس کے حصول اور استعمال کے لیے خداوندِ ذی جبروت نئی راہیں کھول رہا ہے۔

ہماری مالی مشکلات کا بوجھ کم کرنے کے لیے اس نے چاول کی پچھلی فصل اتنی زیادہ ہماری جھولیوں میں ڈالی ہے کہ سنبھالی نہیں جا رہی۔ اُدھر آلو کی فصل کا یہ حال ہے کہ بھاری اسٹاک پڑے ہیں۔ اور اُن کو محفوظ رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ مزید رحم فرمائے تو گندم کے کھیت غلّے کی بڑی مقدار لا رہے ہیں۔ بعید نہیں کہ کسی وقت یکایک تیل کا کوئی بڑا چشمہ اُمڈ پڑے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔

بڑی قوتوں کی مداخلتِ بے جا سے تحفظ دلانے کے لیے خدا نے یہ کارسازی کی کہ امریکہ کو مصر اسرائیل سمجھوتے کی دلدل میں مہینوں پھنسائے رکھا، دوسری طرف روس کا بھارت اور حبشہ اور یمن میں دخل اس کے لیے ایک نیا چیلنج بن گیا۔ خود روس پر یہ گذری کہ ایک ٹانگ افغانستان کی چٹانوں میں پھنس گئی ہے اور دوسری ٹانگ چین ویت نام جنگ نے پکڑے رکھی۔ دوسری طرف ایران کے انقلاب نے جس کا اسلامی مزاج ہمارے انقلاب ۱۹۷۷ء سے ہم آہنگ ہے، امریکہ کے ایک بڑے ایشیائی کیمپ کو ختم کر دیا ہے۔

ادھر پاک سعودی عرب تعلقات برادرانہ خطوط پر تیزی سے نشو ونما پا رہے ہیں۔ خلیجی ریاستوں کو بھی پاکستان سے گہرا ربط ہے۔ ترکیہ کے ساتھ ہمارے برادرانہ تعلقات پہلے سے ہیں اور آگے چل کر اُن میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

ایران اور سعودی عرب (خلیجی ریاستوں سمیت) سے پاکستان کے نئے اہم ترمعاہدات کا امکان بڑی طاقتوں کے پیشِ نظر ہے۔

اور چین سے ہمارے دیرینہ گہرے رابطے کسی کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہیں۔

یہ سارا نقشۂ احوال جس میں ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ بہت بڑی اور کثیر التعداد مخالفِ اسلام قوتوں کے ہوتے ہوئے احیائے اسلام کے بھرپور عملی کام کا آغاز حکومتی سطح سے کر سکیں محض تقدیراتِ الٰہی کا کرشمہ ہے اور یہ انعام ہے اسلام کی راہ پر بڑھنے کی خواہش کا۔ اگر اسلام کے لیے ہمارا شعور اور ہمارے جذبے اور گہرے ہو جائیں اور ہم اپنے خیالات اور اعمال کو درست کر لیں تو پھر اُس کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں۔

---

(۲)

بنگلہ دیش میں کسی قدر نئی تکنیک سے تبلیغ عیسائیت کی مہم شروع ہے۔ اس بارے میں جو

پہلی رپورٹ ہمیں ملی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

اسلام نے حضرت عیسیٰ کے واحد منجی ہونے کے عیسائی عقیدے کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی ہے، سوائے انڈونیشیا کے، باقی تمام دنیائے اسلام میں عیسائیت قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم رہی ہے۔ عیسائی ادارہ ہائے تبلیغ اعتراف کرتے ہیں کہ جو وقت اور سرمایہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اس کے مؤثر نتائج نہیں نکلتے۔

تاہم انھوں نے بنگلہ دیش میں کسی قدر نئی تکنیک سے کام لے کر مصیبت زدہ بہاری اور مقامی مسلمانوں کے پیٹ کے راستے اُن کے دلوں میں نقب لگائی ہے۔

رپورٹ میں مثالاً بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان نوجوان کو عیسائی بنایا گیا۔

حلیم علی ایک انیس سالہ نوجوان ہے۔ وہ اپنی دہقانی زندگی سے اُکتا چکا ہے اُس کا گھر بانس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہے جس میں اس کے والدین، پانچ بہن بھائی اور دادا دادی اور ایک چچا اور دو بیوہ خالائیں رہتی ہیں۔ وہ اپنے آبائی قطعۂ زمین پر مریل جانوروں کے ذریعے تمام دن ہل جوتتا ہے۔

ایک شام کو ایک دراز قد سفید فام آدمی اس کے گھر آیا اور عیسائیت کے کچھ رسائل دیے۔ پھر مقامی سکول ماسٹر کو بلوایا جس نے وہ رسائل پڑھ کر حلیم کو سنائے۔ ایک دن حلیم مزید حالات کو جاننے کے لیے عیسائیت کے تبلیغی مرکز میں پہنچتا ہے جو پانچ میل دُور ہے۔ وہاں اس کی آنکھیں ایک شفاخانے، صنعتی تربیت گاہ، تجرباتی کھیت، ابتدائی تعلیم کے دو اسکولوں اور عیسائی مبلغین کے دو خوبصورت مکانوں کو دیکھتی ہیں۔ اس نئی دُنیا کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے۔ آخر وہ عیسائیت قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے لیے مرکز میں قیام وطعام کا بندوبست کیا جاتا ہے اور عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ عیسائی ہو جاتا ہے اور واپس کنبے میں جا کر بڑے فخر سے تبدیلِ مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ مقامی معاشرے میں کچھ خراب ردِّ عمل ہوتا ہے۔ اس پر حلیم پھر عیسائی مرکز میں جا کر مخالفانہ حالات کا رونا روتا ہے۔ وہاں سے سہارا ملتا

ہے۔ اور اس کے بپتسمہ کے بعد چھ ماہ کے عرصے میں اس کی شادی ایک عیسائی لڑکی سے کر دی جاتی ہے۔ پھر وہ مشن کا کورس مکمل کرتا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس نئی تبلیغی مہم میں کچھ روایاتی طور طریقوں کو بدل دیا گیا ہے۔ سابق طریقوں سے کام کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۹۷۳ء کے بعد کے چار سالوں میں صرف ۵۰ افراد کو عیسائی بنایا جا سکا۔ اب رفتار یہ ہے کہ گذشتہ ۲ سال میں ۳۷ آدمی عیسائیت میں داخل ہوئے ہیں۔ موجودہ پالیسی میں پال کی تعلیم (کرنتھیون ۱، ۹: ۱۶-۲۳) کے مطابق یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح کے پیغام کو کامیاب کرنے کے لیے ایک عظیم دانشور، کسی غلام، کسی یہودی حتیٰ کہ کسی کافر تک کا پارٹ ادا کر سکتا ہے۔ دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ مسلمانوں میں کام کرنے کے لیے انہی کے طور طریقوں اور اصطلاحات کا استعمال کیا جائے۔ چند اہم ہدایات ملاحظہ ہوں:-

۱- ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے نسلی امتیاز یا مغرب کی بالادستی کا اظہار نہ ہو۔

۲- مقامی مسلمانوں کے لباس کو اپنایا جائے۔ بنگلہ دیش میں مردوں کے لیے دھوتی عورتوں کے لیے ساڑھی۔ نیز جس طرح وہاں کی عورتیں دوسری جگہ جاتے ہوئے پردہ کرتی ہیں۔ اس کا لحاظ رکھا جائے۔

۳- مبلغین جو مکان کرائے پر لیں وہ صاف تو ہوں مگر بالکل سادہ اور مختصر ہوں۔

۴- مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہ کیا جائے کہ وہ عبادت کے ان طور طریقوں کو چھوڑ دیں جن کے وہ عادی ہیں۔ نماز، روزہ سب کچھ رہے، صرف ان کا مفہوم بدل دیا جائے۔

۵- عیسائیوں اور ہندوؤں سے منسوب ذخیرۂ الفاظ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ذوق کے مطابق زبان استعمال کی جائے۔

۶- عبادت گاہوں کے باہر طہارت کا انتظام کیا جائے، اندر جاتے ہوئے جوتے اتار دیے جائیں۔ بائیبل کو پڑھنے کے لیے ایسے ہی رحل استعمال کیے جائیں جیسے قرآن کے لیے کیے جاتے ہیں (مقصد یہ کہ تبدیلیٔ مذہب کو وہ شدت سے محسوس نہ

کر سکیں۔

۷۔ عبادت کے وقت آنکھیں بند رکھنے کا طریقہ چھوڑ کر مسلمانوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی جائے۔

۸۔ خدا کی حمد کا وِرد پُر جوش انداز سے کیا جائے۔

۹۔ عبادت کرنے والے مسلمانوں کی طرح آپس میں گلے ملیں۔

۱۰۔ خیال رکھا جائے کہ مسلمان جمعہ کے روز کو مبارک دن شمار کرتے ہیں۔

۱۱۔ مسلمانوں کی طرح روزے رکھے جائیں، مگر وضاحت کر دی جائے کہ تیس روزے خدا کی طرف سے مقرر نہیں ہیں۔

۱۲۔ لفظ کرسچین کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنے والوں کو عیسیٰؑ کا پیروکار کہا جائے۔

۱۳۔ گرجوں کو چلانے کی ذمہ داری تو عیسائیوں پہ ڈالی جائے، شروع میں غیر ملکی سرمایہ استعمال نہ کیا جائے۔

ہمارے سامنے ابھی متذکرہ رپورٹ ہی توجہ طلب تھی کہ ایک اور وسیع تر رپورٹ روزنامہ جسارت میں شائع ہو کر آگئی۔ اس کے بعد کے دو سالوں کا کام بھی سامنے آگیا ہے۔

عیسائی مشنریوں کو بہت بڑا شکار ان غم زدہ مہاجر مسلمانوں کی شکل میں ملا جو برما سے نکالے گئے تھے۔ بنگلہ دیش جاتے والے افراد دو لاکھ تھے۔ ان مصیبت زدہ مسلمانوں کو دنیائے اسلام سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ عیسائی اداروں نے ایک ہفتے کے اندر ان میں پندرہ ہزار کمبل، کپڑے، خوراک اور دوائیں تقسیم کیں۔ اس سے پہلے ۷۴ء کے قحط میں انہوں نے ایک ارب ڈالر خرچ کیے تھے۔ ۷۱ء کے بحران اور ۷۴ء کے قحط نے ان کے لیے میدان ہموار کر دیا۔ اور اب برما کے مہاجرین ان کا تبلیغی نشانہ بنے۔ ان مہاجرین میں سے خاصی تعداد عیسائیت قبول کر کے واپس برما چلی گئی۔ اس وقت بنگلہ دیش میں ۲۰ عیسائی مشنری ادارے کام کر رہے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ۵۸ کلیسائی حلقے قائم ہیں۔ اور ۱۵۷ پادری تبلیغ کر رہے ہیں۔ ۲۹۵ کیتھولک پرائمری اسکول،

۱۴ ہائی اسکول، ۲۴ کالج اور ۵ پیشہ ورانہ اسکول ہیں۔ کیتھولک انتظام کے تحت ۴ ہسپتال، ۳۰۰ ڈسپنسریاں اور انسداد جذام کے دو مرکز موجود ہیں۔ وہاں ۸۰ ہزار پروٹسٹنٹ ہیں جو ۳۶۰ مشنری اداروں کو چلا رہے ہیں جن کے زیر انتظام تعلیم گاہیں اور ہسپتال قائم ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق ۱۹۷۱ء سے اب تک ایک لاکھ سے زائد افراد عیسائی ہو چکے ہیں۔ جن میں ۵۰ ہزار مسلمان شامل ہیں۔ ہماری کیمپوں میں بھی خاصی تعداد نے ارتداد اختیار کیا ہے۔

اُوپر کی رپورٹ میں جو نئی چالیں تجویز کی گئی ہیں، اُن میں جسارت کی رپورٹ مزید اس خطرناک بات کا اضافہ کرتی ہے کہ عیسائی ہونے والے مسلمانوں کے نہ تو نام بدلے جائیں، نہ اُن کو جامع مساجد میں نماز جمعہ پڑھنے سے روکا جاتا ہے، بلکہ انہیں اپنا نیا عقیدہ پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یعنی اس طرح کام کیا جاتا ہے جیسے لکڑی کو دیمک لگ جاتی ہے۔

ہم نے یہ معلومات اس لیے عرض کی ہیں کہ مختلف ملکوں کی دینی شخصیتیں اور تنظیمیں، خصوصاً سعودی عرب اور کویت کے تبلیغی ادارے اس بارے میں گہری سوچ بچار کریں۔ ہوسکے تو فوری طور پر کانفرنس بلوائی جائے اور اس سیلابِ ارتداد کا سدباب کیا جائے۔

---

(۳)

عالمِ اسلام اس لحاظ سے تو بڑے مبارک دَور سے گذر رہا ہے کہ مغربیت کے اثرات سے آزاد ہونے کے لیے جا بجا احیائے اسلام کی تحریکات اُبھر رہی ہیں، لیکن ایسے ہی حالات میں مخالف قوتوں کی سرگرمیاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔

اس وقت عالم یہ ہے کہ مصر اسرائیلی معاہدے کے طلسم کو کام میں لا کر مغرب نے عربوں کی وحدت کو کاری ضرب لگائی ہے۔ مصر جیسا اہم ملک باقی سب سے کٹ گیا ہے۔ ترکی کئی سال سے دفاعی اور اقتصادی لحاظ سے مشکل ترین دَور سے گذر رہا ہے۔ ایران سے امریکہ کا بوریا بستر اُٹھ چکا ہے، اور روس اس کا خلاء بھرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ افغانستان اور یمن کے مسلمانوں کو دو دو محاذوں میں بانٹ کر انہیں ٹکرا دیا گیا ہے۔ پاکستان پہلے (باقی بر صفحہ ۴۶)

(بقیہ اشارات) بھی کرم کچھ زیادہ نہ تھا۔ حال ہی میں جوہری توانائی کے مسئلے کو آڑ بنا کر امریکہ نے اپنی برائے نام سی امداد بھی ختم کر دی ہے۔ صومالیہ کو سکڑ کر بیٹھ رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ نائیجیریا میں بہت عرصے سے عیسائی اقلیت مسلم اکثریت پر مسلّط ہونے کی کوشاں رہی ہے۔ پھر لبنان میں اسی مقصد سے بڑی لمبی تباہ کارانہ جنگی ہوتی رہی۔ اب یوگنڈا میں ایک انقلابی جنگی کارروائی کے ذریعے مسلمان صدر کو ہٹا کر عیسائی صدر کو تختِ صدارت پر بیٹھا یا گیا ہے۔ فلپائن اور اریٹریا کے مسلمان عیسائی اکثریت کے ہاتھوں پستے پستے اب کئی برس سے بقاء کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ قبرص میں مسلم عیسائی کشمکش ایک جگہ رکی ہوئی ہے۔ بھارت میں قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد مسلم کش فسادات کی کالی دیوی سیاسی عناصر کی پشت پناہی کے ساتھ غنڈوں کو آلۂ کار بنا کر نمودار ہوتی ہے اور مسلم اقلیت کو نئے چرکے لگا کے رخصت ہوتی ہے، جیسا کہ اس وقت جمشید پور میں ہوا۔

پس ہم مسلمانوں کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ —— لادینی، اشتراکی، صہیونی، صلیبی اور برہمنی —— قوتوں کی ایک عالمی سازش ہمارے خلاف کام کر رہی ہے جس کے مختلف محاذ مختلف علاقوں میں الگ الگ انداز سے کام کر رہے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ ہمارے قلعۂ ملّت پر چاروں طرف سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ ایسے نازک لمحے میں اسلام کا احیاء تو بڑا کام ہے، محض اپنی بقاء کے لیے بھی اتحاد شدید طور پر ناگزیر ہے۔

قلعۂ ملّت جب اس طرح چوطرفہ حملے کی زد میں ہو تو ایسے وقت میں اگر کچھ لوگ تفرقہ پردازی کی مہم شروع کر دیں —— وہ ہر کلامی، فقہی اور علامتی اختلاف کی بنا پر لوگوں کی تکفیر و تفسیق اور تحقیر و تضحیک کرنے لگیں، وہ بات بات پر نمازیں اور مسجدیں الگ کرنے لگیں، مسجدوں پر چڑھائی کر کے اُن پر قبضہ جمانے کی اسکیم اختیار کر لیں اور اپنے طرز کے مسلمانوں کے علاوہ کسی کے ساتھ مل بیٹھ نہ سکتے ہوں۔ احیائے اسلام کی عظیم مہم کو سَر کرنے کے لیے دوسروں کے ساتھ تعاون نہ کر سکتے ہوں، اور مسلمانوں کے ایک گروہ میں دوسرے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر پھیلا دیں، مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلائیں، تو اس سے کیا سمجھا جائے۔

یہ سمجھا جائے کہ یہ محض نادانی ہے، یا یہ خیال کیا جائے کہ قلعۂ ملت پر باہر سے گولہ باری کرنے والی قوتوں نے ہی ان کو آلۂ کار بنا لیا ہے۔ کیونکہ اُن کا رویّہ ایسا ہے کہ جو ملت پر حملہ آور قوتوں کو فتح دلانے کا باعث بن سکتا ہے۔

کاش کہ ایسے عناصر یہ سیدھی سی بات سوچ سکیں کہ تقسیم برصغیر کے وقت جو مسلم کشی ہوئی تھی اس وقت کسی نے نہیں پوچھا کہ تم دیوبندی ہو یا ندوی، وہابی ہو یا بریلوی، تبلیغی جماعت کے آدمی ہو یا جمعیت علماء ہند کے —— حتیٰ کہ یہ فرق بھی ختم ہو گیا کہ کون مسلم لیگی ہے اور کون کانگریسی —— ہر وہ شخص جو محمد رسول اللہ کی اُمت سے متعلق تھا وہ مسلم دشمن قوتوں کا نشانہ بن گیا۔ کیا سابق مشرقی پاکستان جب بنگلہ دیش میں بدلا تھا تو اس وقت جو خون خرابہ ہوا اس میں بھارتی فوج یا مکتی باہنی نے کوئی ایسی فہرستیں بنائی تھیں کہ کون لوگ اصلی اہل سنت ہیں اور کون معمولی قسم کے اہل سنت؟

کیا آج جمشید پور کے فسادیوں نے مسلمانوں کو تباہ کرتے ہوئے ایسا کوئی فرق کیا ہے؟ کیا افغانستان، یمن، چاڈ، ارٹریا اور فلپائن کے مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہوئے قاتلوں نے یہ پوچھا کہ تم کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ دُنیا کی ہمارے ساتھ جنگ بریلوی، دیوبندی، وہابی کی بنیاد پر نہیں، مسلم ہونے یا اسلام کو قائم کرنے کے علمبردار ہونے کی بنا پر ہے۔ اس طرح کی مخالفِ اسلام جنگ کا مقابلہ کوئی ایک فرقہ نہیں کر سکتا، کجا کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے والا فرقہ —— اس طرح کی جنگ تو صرف وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے وسیع محاذ سے لڑی جا سکتی ہے۔ اگر تحریکِ پاکستان فرقوں کی بنیاد پر اُٹھتی اور اندرونی طور پر ایک ایک جزئی مسئلے پر جنگ و جدل کے محاذ کھلے ہوتے تو پھر کیا ممکن تھا کہ پاکستان بن سکتا؟ کیا ستمبر ۱۹۶۵ء کا جہاد کسی خاص فرقے کے لڑنے سے ہوا؟ کیا ۱۹۷۷ء کی تحریک بریلویت کی بنیاد پر چلی اور عوام نے یہی مقصود ذہن میں رکھ کر بیش بہا قربانیاں دیں کہ بریلوی راج قائم ہو جائے؟ یا دیوبندی یا اہل حدیث کی فرقہ وارانہ سلطنت بن جائے۔

ہمارا کوئی مقام اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے جزئی اختلافات کو بغیر کسی شدت و عدم شائستگی کے گوارا کرتے ہوئے اصولیات اور ایمانیات پر متحد ہوں اور اس کلیے کی اسپرٹ

کو مانیں کہ "چار وں امام برحق"۔ ہم اپنے آپ کو ایک بڑی محمدی فوج کی رجمنٹوں کی حیثیت سے دیکھیں کہ جن کے "کلر" اور "نشان" اور سالار الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ان کا تعلق ایک ہی محاذ سے ہے اور اُن کی لڑائی کفر اور طاغوت کی عالمگیر قوتوں سے ہے۔ یہ رجمنٹیں اگر خود اپنے ہی محاذوں کے اندر لڑائیاں چھیڑ دیں تو پھر ہو چکی فتح!

آج جب کہ پاکستان میں ہزار مشکل ادوار کے بعد اقامتِ دین اور احیائے اسلام کا ایک موقع پیدا ہوا ہے، اس مرحلے میں خدا کے ایک ایک پرستار اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک محب کا فرض ہے کہ وہ اپنے دماغ، اپنے جذبات، اپنے جسم، اپنے مال اور اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ غلبۂ دین کی اُن متحدہ مساعی میں کھپا دے جو اس وقت ہو رہی ہیں۔ اس میں اگر کوتاہی کی گئی تو فوری طور پر دنیا میں بھی کچھ نتائج بھگتنے ہوں گے اور آخرت کی جوابدہی تو بہت سخت ہوگی۔ پوچھا جائے گا کہ ہم نے قرنوں بعد تمہارے لیے ایک موقع پیدا کیا تھا کہ تم دینِ حق کو غالب کرو۔ لیکن تم نے اس وقت اس بڑے کام کو کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بہت ہی اصلی مسلمان سمجھتے ہوئے مسلمانوں کی صفوف کو پھاڑنے میں اپنی قوتیں کھپا دیں۔ اب بتاؤ، تمہارا جواب کیا ہے؟

یہ جواب دینا بڑا مشکل ہوگا اور کسی لیڈر اور کسی مولوی اور کسی پیر کی مدد سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا۔

اس موقع پر جب میری توجہ اس بات پر جاتی ہے کہ مختلف مذہبی گروہ الگ الگ اپنی کانفرنسیں کر رہے ہیں، تو مجھے تمنا ہوتی ہے کہ کاش کہ سب مل کر "وحدتِ ملت کانفرنس" منعقد کریں۔ بصورتِ دیگر اپنی کانفرنسوں سے تفرقہ کی بولیاں بولنے کے بجائے اتحاد بین المسلمین کی صدا بلند کریں۔ تمام دینی بزرگوں کا کام یہ ہے کہ وہ قوم سے یہ کہیں کہ تمام علماء کا احترام کرو۔ کوئی بھی مسجد سامنے ہو اس میں نماز پڑھو، اختلافات کے باوجود تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی سمجھو، اور اپنی ساری قوتیں جمع کر کے کفر و طاغوت کے عالمی محاذ کے خلاف صرف کرو۔